محمد نسیم
Research Scholar, Department Of Urdu,University Of Hyderabad

جیلانی بانو کے ناول ''ایوان غزل'' میں تہذیبی تصادم

خواتین فکشن نگاروں میں ایک نمایاں ترین نام جیلانی بانو کا ہے۔صوبۂ اتر پردیش کے ضلع بدایوں میں 1935ء میں پیدا ہوئیں۔والد علامہ حیرت علی معاشی مقصد کے پیش نظر افراد خاندان کے ساتھ حیدرآباد آ گئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔گھر میں تعلیمی ماحول تھا۔والد اردواور فارسی میں شاعری بھی کرتے تھے۔جیلانی بانو نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز افسانے سے کیا۔مقبول ترین افسانہ نگاروں کی صف میں جگہ بنانے کے بعد وہ ناول نگاری کی طرف آئیں۔انہوں نے اب تک دو ناول لکھے ہیں۔پہلا''ایوان غزل'' 1976ء میں شائع ہوا اور دوسرا''بارش سنگ'' 1985ء میں منظر عام پر آیا۔''ایوان غزل'' دراصل ایک ایسے جاگیردار کی کوٹھی ہے، جہاں کی تہذیب اور شان وشوکت روبہ زوال ہیں۔جسے بچانے کی غیر اخلاقی کوششیں کی جاتی ہیں،مغرب کے توسط سے نئی تہذیب کی آمد بھی ہے،آزاد ہندوستان اور نظام شاہی سلطنت کی سیاسی رسہ کشی ہے، عورتوں کا استحصال ہے۔مصنفہ نے ان تمام پہلوؤں کا جائزہ بڑے فکری انداز میں پیش کیا ہے۔واقعات محض واقعات نہیں ہیں بلکہ قاری کو درد آمیز فکر وشعور کا درک دیتے ہیں۔

''ایوان غزل'' کے سرپرست واحد حسین ہیں۔احمد حسین ان کے چھوٹے بھائی ہیں جو اورنگ آباد کے ایک بڑے جاگیردار ہیں۔یہ دونوں بھائی جاگیردارانہ طبقے کے آخری نمائندے ہیں۔اپنے باپ کی موروثی دولت اور روایت کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔اس کوشش میں نواب واحد حسین کا گھرانہ انتہائی رذیل حرکتیں بھی کرتا ہے۔چچا کی دولت پر قبضہ کرنے کے لیے ان کی یتیم بیٹی گوہر بیگم کو چھت سے نیچے ڈھکیل کر اپاہج بنا دیا جاتا ہے تاکہ ان کی شادی نہ ہوسکے۔راشد

کی شادی شہر کے ایک بڑے رئیس کی صاحبزادی رضیہ بیگم سے کی جاتی ہے۔سوتیلی بہن فاطمہ بیگم کو گھر کا فرد اس لیے نہیں مانا جاتا ہے کہ جب نواب واحد کے والد کا انتقال ہوا تو ایسا کوئی کاغذی ثبوت نہ مل سکا جس سے یہ ثابت ہو کہ فاطمہ کی ماں ان کی منکوحہ بیوی تھیں۔نکاح نامہ نہ ملنے یا شعوری طور پر غائب کرنے کے بعد انہیں باپ کی ملکیت سے بے دخل کر دیا جاتا ہے۔نواب واحد حسین اپنی اس سوتیلی بہن فاطمہ کی شادی اپنے بھائی احمد حسین کے ہاں ایک رہن رکھے ہوئے مزدور غلام رسول سے کر دیتے ہیں۔غلام رسول اپنے مالک کے پاس اورنگ آباد میں رہتا ہے جبکہ اس کی بیوی اور بیٹی قیصر حیدرآباد کے ''ایوان غزل'' میں رہتی ہیں۔ماں، بیٹی دونوں اس کوٹھی میں ذلت کی زندگی گزار رہی ہوتی ہیں۔قیصرا اپنے باپ کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی ہے اس لیے کہ وہاں احمد حسین کی بیوی اجالا بیگم گھر کا کام بھی لیتی ہیں اور جسمانی اذیت بھی دیتی ہیں۔ماں، بیٹی پھٹے پرانے کپڑے اور بچے ہوئے کھانے کے بدلے ''ایوان غزل'' کا کام کرتی ہیں اور یہیں پڑی رہتی ہیں۔غلام رسول اپنی بے بسی پر اتنا شرمندہ رہتا ہے کہ اپنی بیوی سے نظریں نہیں ملا پاتا ہے۔قیصر ''ایون غزل'' کی زیادتیوں سے تنگ آ کر یہاں سے نکل جاتی ہے اور اپنی ماں کے ساتھ الگ رہنے لگتی ہے۔وہ ایک متحرک اور فعال کردار بن کر ہمارے سامنے آتی ہے، وہ ایوان غزل کی خواتین کی طرح مردوں کے ہاتھ کا کھلونا نہیں بنتی ہے بلکہ سن شعور کو پہنچتے ہی جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے خلاف اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔روایت کے خلاف ایک غیر مسلم اور کمیونسٹ پارٹی کے چھاپہ مار دستے کے سرگرم کارکن سنجیوا سے شادی کر لیتی ہے۔اس کے ساتھ مل کر جاگیرداروں کے خلاف محاذ آرائی کرتی ہے۔ اورنگ آباد کے نواب احمد حسین پر بھی حملہ کی وارننگ دیتی ہے۔سنجیوا اور قیصر سے ایک بیٹی بھی ہے جس کا نام وہ کرانتی رکھتی ہے۔حکومت جب ان دونوں کے خلاف پھانسی کا وارنٹ جاری کرتی ہے تو قیصرا اپنی بیٹی کو ایوان غزل میں چھوڑ جاتی ہے۔تا کہ اس کے مرنے کے بعد کرانتی زندہ رہ سکے۔

''ایوان غزل'' کے احاطے میں ہال نما ایک وسیع کمرہ ہے جسے ''بیت الغزل'' کہا جاتا ہے۔ دیواروں پر اردو شاعروں کی تصویریں لگی ہوئی ہیں اور کچھ شعر و شاعری کی کتابیں بھی رکھی ہوئی ہیں۔واحد حسین تہذیبی روایت کے مطابق ''بیت الغزل'' میں مشاعرے منعقد کراتے رہتے ہیں۔وہ خود بھی شاعری کرتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ ان کی خواہش کے مطابق انہیں کبھی اچھے شعراء کی صف میں جگہ نہ

مل سکی۔ واحد حسین کو جاگیرداری ختم ہونے کا خوف ہے، باپ، دادا کی موروثی جائدادیں ختم ہو چکی ہیں اسی لیے انہیں تحصیل داری کی ملازمت بھی کرنی پڑی تھی۔ نظام شاہی حکومت اپنے اختتام کو پہنچ رہی تھی۔ انڈین یونین کی فوجیں حیدرآباد پر یلغار کرنے کو تیار بیٹھی تھیں، ادھر کمیونسٹ گروپ کے چھاپہ مار دستے جاگیرداروں پر حملہ آور ہو رہے تھے، ایک عجیب سیاسی ہلچل مچی ہوئی تھی۔ ایسے حالات میں بھی واحد حسین کا مشاعرے کا اہتمام کرنا اور ایک ایک مصرعے کے لیے گھنٹوں سر کھپانا یہ اشارہ کرتا ہے کہ اگرچہ بادشاہوں اور نوابوں کا دور ختم ہو رہا تھا، جاگیردارانہ نظام آخری سانسیں لے رہا تھا، سیاسی طور پر ہندوستان ایک نئے انقلاب سے دوچار تھا اس کے باوجود بھی ادب کی آبیاری ہو رہی تھی۔ یہ تاریخی حقیقت بھی ہے کہ ہمارا کلاسیکی ادب قومی سطح پر سیاسی اور تہذیبی زوال پذیری کے عہد کی یادگار ہے۔

''ایوان غزل'' کے متوازی حیدر علی خاں کا گھرانہ ہے۔ حیدر علی نے انگلینڈ سے تعلیم حاصل کی ہے، جاگیردارانہ نظام کے سخت مخالف ہیں، ترقی پسند تحریک کے متحرک کارکن ہیں، واحد حسین کی صاحبزادی بشیر بیگم کے شوہر ہیں لیکن تہذیبی اعتبار سے واحد حسین اور حیدر علی خاں کا گھرانہ بالکل مختلف ہے۔ ''ایوان غزل'' کی لڑکیوں کی تعلیم مذہب کی بنیادی معلومات تک محدود ہوتی ہے، یہاں کی لڑکیاں جب گھر سے نکلتی ہیں تو نقاب کے ساتھ ساتھ گاڑی میں بھی پردے لگے ہوتے ہیں، عام مردوں سے گفت وشنید کی اجازت نہیں ہوتی ہے۔ اس کے برعکس حیدر علی کے گھر میں پردے کا اہتمام غیر ضروری مانا جاتا ہے، یہاں کلب یا پارٹیوں میں جانا، چھوٹے بال رکھنا، چست کپڑے پہننا اور لڑکوں کے ساتھ گھومنا عام بات مانی جاتی ہے۔ اس خاندان کی لڑکیاں تعلیم کے لیے دوسرے شہروں میں بھی جاتی ہیں جبکہ اس وقت تک مسلم گھرانوں کی لڑکیاں اپنے شہر میں بھی کم ہی تعلیم حاصل کرتی تھیں۔ بشیر بیگم کو اپنے سسرال کی اس طرز زندگی کی وجہ سے ''ایوان غزل'' میں کبھی کبھی طنز کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ خود بشیر بیگم بھی سسرال کے اثرات کو کسی حد تک قبول کرنے لگیں تھیں۔ اس لیے وہ شروع شروع میں ''ایوان غزل'' یعنی اپنے میکے کم ہی جاتی تھیں۔

> ''جب ''ایون غزل'' کی بیبیاں موٹروں میں پردے لگا کر سوار ہوتی تھیں تو چاند کی پھوپھیاں اپنے میاؤں کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے سکندرآباد کلب ڈانس کرنے جاتی تھیں۔ بغیر آستینوں کا بلاوز، ہونٹوں کی سرخی اور اونچی ایڑی

کے سینڈل کا فیشن پہلے پہل حیدرآباد میں اسی گھرانے سے نکلا۔لڑکے تو خیر اور خاندانوں میں بھی پڑھنے کے لیے ولایت جا چکے تھے لیکن بال کٹا کر فراکیں پہنیں اسی گھرانے کی لڑکیاں پہلی بار کرسٹانوں کے اسکولوں میں بھیجی گئیں۔اور پھر آگے بھی ان کے کارنامے لوگ سنا کرتے۔کوئی ہوا خوری کو نینی تال گئی اور وہیں کسی گورے سے نکاح کر لیا۔کوئی باپ دادا کی آنکھوں کے سامنے دولھا پسند کرتی اور ماں باپ تالیاں بجا کر اس کے انتخاب کی داد دیتے تھے۔وہاں کے قصے بشیر بیگم سے سن سن کر لنگڑی پھوپو خود ہی توبہ کرتی تھیں۔ بشیر بیگم کی سسرال تھی کہ کسبیوں کا اڈا۔دنیا کانوں پر ہاتھ دھرتی۔(1)

بشیر بیگم کے سسرال والوں نے نئی تہذیب اور نئی زندگی کو قبول کر لیا تھا۔جس سے ''ایوان غزل'' کے کچھ لوگ چڑھتے ہیں۔ایک تہذیب سے جب دوسری تہذیب کے لوگ چڑھنے لگیں تو ہم اسے تہذیبی ٹکراو کہتے ہیں۔چاند حیدر کی بیٹی اور واحد حسین کی نواسی ہے،مسحور کن خوبصورتی کی مالک ہے۔حیدر علی اپنی بیٹی کی پرورش نئے عصری رجحان کے مطابق کرتے ہیں۔وہ اسے ایک خود اعتماد اور خود مختار لڑکی بنانا چاہتے ہیں،جدید تہذیب و معاشرت میں اس کی پرورش کرتے ہیں،میڈیکل کی تعلیم دلانا چاہتے ہیں اس لیے اس کی ابتدائی تعلیم ہی مشن اسکول سے ہوتی ہے۔چاند کبھی کبھی اپنے اسکول کے نیم عریاں یونیفارم میں ایوان غزل بھی آ جاتی ہے جس سے واحد حسین اچنبھے میں پڑ جاتے ہیں۔وہ ڈانس بھی سیکھنے جاتی ہے،چھوٹے بال اور نیم عریاں لباس میں گھومتی ہے۔اور یہ سب اس کے والد حیدر علی کی ترغیب پر ہوتا ہے۔

''ایون غزل'' چاند کی اس مغربی روش پر نالاں رہتا ہے۔چونکہ حیدر علی خاں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور جہاں دیدہ ہیں،چاند کے دادا کا شمار شہر کے بڑے رئیسوں میں ہوتا تھا اس لیے چاند کی بے پردگی اور انگریزی طور طریقے پر کوئی سخت تنقیص تو نہیں کرتا ہے لیکن دبی زبان میں لعنت بھیج دیتا ہے۔

''چاند کی اس بدلی ہوئی روش پر اس کی ننھال میں بڑی لے دے ہوئی۔خود واحد حسین کو اپنی نواسی کی ننگی ٹانگیں بالکل اچھی نہ لگتی تھیں۔مگر وہ اپنے ولایت پلٹ داماد سے بڑے مرعوب تھے۔اور ان کی ہر بات کو بے سوچے سمجھے مان لیا کرتے

تھے کہ قابل آدمیوں کی ہر بات میں کوئی نہ کوئی اچھی بات پوشیدہ ہوتی ہے‘‘(2)

حیدر علی اپنی بیٹی چاند کو ایک نئی راہ پر ڈال کر خود کمیونسٹوں کے ساتھ سرگرم عمل ہو جاتا ہے اور اپنی بیٹی کی نگہبانی سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ظاہری طور پر وہ ترقی پسند تحریک کا روح رواں ہے لیکن دراصل وہ نظام شاہی سلطنت کے خلاف سازشیں کرتا ہے۔کانگریس پارٹی کا حامی ہے اور حیدرآباد کے ہندوستان میں الحاق کا متمنی ہے۔اسی درمیان اس کی بیوی بشیر بیگم کا انتقال ہو جاتا ہے۔حیدر کمیونسٹ پارٹی کی ایک متحرک خاتون سے دوسری شادی کر لیتا ہے۔باپ کی دوسری شادی کے بعد چاند مستقل طور پر اپنے نانا واحد حسین کی کوٹھی میں آ کر رہنے لگتی ہے۔

راشد میاں، واحد حسین کا اکلوتا بیٹا ہے۔جدید تعلیم یافتہ ہے،ایوان غزل کا وارث ہے لیکن جاگیردارانہ مزاج نہیں رکھتا ہے۔اسے شعر وشاعری سے دلچسپی نہیں ہے،خالص مادیت پرست ذہن رکھتا ہے۔اس کے تہذیبی رویے قدیم وجدید کے مابین الجھے ہوئے ہیں۔موقع پرستی اور مال ودولت کی ذخیرہ اندوزی اس کی شخصیت کے نمایاں پہلو ہیں۔اس کی زندگی کا محور جائز و ناجائز طریقے سے’’ایوان غزل‘‘ کی مالی حالت پہلے کی طرح بنانا ہے۔ہندوستان آزاد ہو چکا ہے عوام اور وقت کے بادشاہ ہر حال میں حیدرآباد کو ایک خود مختار ریاست کے طور پر بچائے رکھنا چاہتے ہیں، قاسم علی رضا کاروں کو وطن کے لیے قربان ہونے کی ترغیب دے رہے ہیں۔مائیں اپنی ریاست کی حفاظت کے لیے بچوں کو رضا کاروں میں شامل کر رہی ہیں۔راشد بھی رضا کاروں کے لیے چندہ جمع کرتا ہے لیکن اس کا یہ عمل خیر خواہی کی بنا پر نہیں ہوتا ہے بلکہ اس سے وہ عمائدین شہر اور قاسم رضوی سے قربت بنانا چاہتا ہے۔جب ہندوستان کی مصلح افواج نہتے رضا کاروں کو روندتے ہوئے سکندرآباد پہنچی تو یہی راشد ان کے استقبال میں پھولوں کا ہار لے کر پہنچ گیا اور نظام سلطنت پر الزام لگا دیا کہ اسے زبردستی رضا کاروں میں شامل کر لیا گیا تھا۔

’’ایوان غزل‘‘ معاشی طور پر انحطاط کا شکار ہے۔راشد کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ وہ کسی طرح ایوان غزل میں مال ودولت کا انبار لگا سکے۔اس کے لیے وہ ایک طرف بلیک مارکیٹنگ کے ذریعہ تجارت کرتا ہے تو دوسری طرف وہ اپنی بھانجی چاند کو شہر کے بااثر لوگوں کے حوالے کر کے بڑے بڑے کانٹریکٹ حاصل کرتا ہے۔مصنفہ نے چاند کو انتہائی خوبصورت دکھایا ہے۔وہ اپنی خوبصورتی اور

اسٹیج ڈرامے میں ایکٹنگ کی وجہ سے شہر کی مقبول ترین ہیروئن بن جاتی ہے۔شہر کے بڑے بڑے رئیس اس سے چند منٹ گفتگو کے لیے بے قرار رہتے ہیں حتیٰ کہ شاہی خاندان سے اس کے لیے شادی کا پیغام آتا ہے لیکن وہ منع کر دیتی ہے۔چاند کا اپنے والد سے تقریباً رابطہ ختم ہو چکا تھا اس لیے راشد کو موقع ملا کہ وہ اس کی خوبصورتی کا غلط استعمال کر کے اپنی کامیابی کے راستے ہموار کرے۔اسی کے اشارے پر چاند کے تعلقات بھان صاحب اور بلگرامی جیسے لوگوں سے بنتے ہیں۔ جو اسے زندگی کے بڑے بڑے خواب دکھا کر پہلے استعمال کرتے ہیں پھر کسی گھناؤنی چیز کی طرح اس سے منھ پھیر لیتے ہیں۔ چاند بہت کم عمری میں شہرت کی بلندیوں تک پہنچی اور بہت جلد بدچلن اور بدکرداری کا داغ لے کر ایون غزل کی حدود میں قید ہوگئی۔ چاند جب شہر کے رئیسوں کے منظورِ نظر تھی تب اس کی عزت اور خاطر داری ''ایون غزل'' میں خوب ہوتی تھی لیکن جب شہر میں اس کی مقبولیت ختم ہوئی تو ''ایوان غزل'' کے لوگوں نے بھی اسے نظروں سے گرا دیا اور حقارت سے دیکھنے لگے۔راشد اور رضیہ کے لیے وہ ایک لائق نفرت چیز بن گئی تھی۔یہی رضیہ اور راشد ہیں جو چاند کی خوشنودی پانے کے لیے اس کا ہر طرح سے خیال رکھتے تھے۔پورے ایوان غزل میں وہ ان کی سب سے زیادہ چہیتی بھانجی تھی کیونکہ اس وقت انہیں چاند کی عصمت پامال کر کے بڑے بڑے تجارتی کام نکالنے تھے۔اپنے مقصد میں کامیابی کے بعد چاند ان کے لیے ایک غیر ضروری شے بن کر رہ گئی تھی۔ ماما، ممانی اور نانا سبھی اس سے اپنا تعلق ختم کر چکے تھے۔آخر وہ محض چھبیس سال کی عمر میں گھٹ گھٹ کر مر جاتی ہے۔

کچھ ایسا ہی حال 'غزل' کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔غزل نواب واحد حسین کی نواسی ہے۔ واحد حسین نے اپنی ایک بیٹی بتول کی شادی شہر کے مشہور خانقاہ ''الف لیلےٰ'' کے سجادہ نشین مسکین علی شاہ کے بیٹے ہمایوں سے کی تھی۔''الف لیلےٰ'' ظاہری طور پر مرشدوں کا آماجگاہ اور رشد و ہدایت کا مرکز ہے لیکن بباطن ریاکاری اور عیاری کا اڈا ہے۔ یہاں کی اپنی رسوم و روایات ہیں جو مختلف ہوتے ہوئے بھی کئی مقامات پر ''ایوان غزل'' سے ہم آمیز بھی ہیں۔ یوں غزل کی پرورش میں مغربی تہذیب و تمدن کا دخل نہیں ہے۔اسے ننہال اور ددھیال دونوں جگہ مخصوص ہندوستانی ماحول ملتا ہے۔اس کے باوجود بھی وہ چاند کی راہ پر نکل پڑتی ہے۔اس کی دو بڑی وجہیں ہیں۔ایک معاشی دوسری نفسیاتی۔ پیر و مرشد مسکین علی شاہ کے انتقال کے بعد ہمایوں معاشی طور پر بدحالی کا شکار

ہو جاتا ہے۔اس کے سوتیلے بھائی باپ کی متروکہ جائداد سے بے دخل کر دیتے ہیں کہ اس کی ماں پیر صاحب کی منکوحہ بیوی نہیں تھی۔ بالکل اسی طرح جیسے نواب واحد نے فاطمہ کو اپنے باپ کی بیٹی نہیں مانا تھا۔ مالی تنگدستی اور باپ کی بے مروتی کی وجہ سے ''غزل'' کو ہمیشہ دھتکارا جاتا ہے۔ رضیہ ممانی اسے ہر وقت اپنے بچے شاہین اور فوزیہ سے کمتر دکھاتی رہتی ہیں۔باپ کے غیر ذمہ دارانہ رویہ کی وجہ سے وہ ننہال اور ددھیال دونوں جگہ شفقت و محبت سے محروم رہتی ہے۔ایک طرف باپ کی زیادتیاں ہیں تو دوسری طرف ''ایوان غزل'' کا حقارت آمیز رویہ ہے۔اس یاس و محرومی کے دوران چاند اسے'' کلامنڈل'' کے اسٹیج پر لاتی ہے۔جس سے اچانک نہ صرف اس کی عزت بڑھ جاتی ہے بلکہ ایک جوڑا نیا کپڑا بھی مل جاتا ہے۔ یہاں سے غزل کی ایکٹنگ،شہرت اور جنسی استحصال کی دنیا شروع ہوتی ہے اوران تمام عوامل میں اس کے ماموں اور ابو کی معاونت شامل رہتی ہے۔ ماموں کو امیروں سے تعلقات مستحکم کرنے تھے اور ابا کو ان بااثر لوگوں کے توسط سے اپنے والد کی متروکہ جائداد میں حصہ لینا تھا۔اس لیے والد خود ہی غزل کو اثر و رسوخ رکھنے والے رئیسوں کی گود میں ڈالتے رہے۔غزل کے لیے زندگی میں یہ پہلا ایسا موقع تھا کہ لوگ اس سے پیار بھری باتیں کرنے لگے تھے اس لیے وہ بھی بلگرامی، بھان اور نصیر جیسے لوگوں کے جھانسے میں آتی رہی اور اپنی عزت تارتار کراتی رہی۔آخر میں حشر وہی ہوا جو چاند کے ساتھ ہوا تھا۔بس فرق تھا تو یہ کہ چاند ہزیمت اور پشیمانی میں اپنی موت آپ مری تھی اور غزل نے خودکشی کر لی تھی۔

اس پورے ناول میں دو طرح کی خواتین نظر آتی ہیں۔ایک طرف گوہر بیگم، بی جانی، بشیر بیگم، بتول بیگم اور فاطمہ بیگم ہیں جو جاگیردارانہ طبقہ کے ظلم و جبر کی شکار ہیں۔یہ پردہ کا اہتمام کرتی ہیں، غیر مردوں سے ان کے کسی طرح کے کوئی تعلقات نہیں ہیں۔گھر کی چاردیواری ان کی زندگی کے حدود داربعہ ہیں۔بی بی،نواب واحد حسین کی بیوی ضرور ہیں لیکن تاحیات انہیں یہ قلق رہا کہ واحد حسین نے ان کے باپ کی غربت کی وجہ سے ان سے جبریہ طور پر شادی کر لی ہے۔اس قلق کی وجہ سے وہ گھر کے انتظامی معاملات سے دور رہیں گویا کہ وہ ''ایون غزل'' کی ملکہ تھیں لیکن انہوں نے کبھی ایوان غزل کو اپنا گھر نہیں مانا۔انہوں نے پوری زندگی خاموش رہ کر گزار دی اور روایت کے مطابق کبھی اپنے شوہر سے بغاوت نہ کر سکیں۔ بتول بیگم ''الف لیلے'' میں ہمایوں کی زیادتیاں برداشت کرتی رہیں یہاں تک

کہ وہ مار کھاتی کھاتی مر گئیں۔ واحد حسین نے اپنی بہن گوہر بیگم کی تمام جائداد پر قبضہ کر لیا، وہ اسے ایک ظلم سمجھتی رہیں لیکن کبھی واحد حسین کے خلاف آواز نہ اٹھا سکیں۔ بی جانی کی حقیقی اولا دنصیر کو اجالا بیگم اور نواب احمد حسین نے زبردستی اپنا بیٹا بنا لیا۔ اس کے باوجود بھی بی جانی اپنی تنگدستی کی وجہ سے نواب صاحب کے سامنے اُف تک نہیں کر سکی۔ اس کے برعکس اسی ''ایوان غزل'' میں نئے زمانے کی لڑکیاں بھی ہیں جو مغربی ذہن وفکر کے سہارے اپنا مستقبل سنوارنا چاہتی ہیں، چاند اور غزل زمانے کی بدلتی ہوئی قدروں کے ساتھ خود کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اس کوشش میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہوتی ہیں لیکن ان کی یہ کامیابی محض چند دنوں میں ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی بڑی وجہ تہذیبی ٹکراؤ ہے لوگ ایک مقصد کے تحت چاند اور غزل جیسی لڑکیوں کو اہمیت دے دیتے ہیں اور مقصد کی برآوری کے بعد تعلقات کو استوار رکھنے میں رسوائی سمجھتے ہیں۔ ناول نگار نے ان دونوں کرداروں کا ایک ناکام زندگی پر خاتمہ کر کے گویا یہ ذہن دیا کہ ''ایون غزل'' کی روایات میں محصور خواتین ہوں یا جدید قدروں کو اپنانے والی چاند جیسی لڑکیاں ہوں وہ ہر جگہ محض جنسی تسکین کا ذریعہ سمجھی جاتی رہی ہیں۔ اس تعلق سے ڈاکٹر انور پاشا کی یہ رائے ملاحظہ کریں:

> ''جیلانی بانو نے بھی اپنے ناول ایوان غزل میں جاگیردارانہ معاشرت اور ماحول میں عورت کی حیثیت اور ان کی زندگی کے مسائل کی عکاسی کی ہے۔ انھوں نے اس معاشرت میں اعلیٰ طبقے کی عورتوں کی دہری زندگی کے المیے کو بڑی خوبصورتی سے اجاگر کیا ہے۔ ان کے ناول میں ایک طرف روایتی جاگیردارانہ معاشرت میں عورت کی حیثیت اور اس کے کرب کی تصویر ملتی ہے تو دوسری طرف انگریزی سامراجیت کے طفیل میں مغربی اقدار اور جدید طرز زندگی نے جو اثرات اس طبقے کی عورتوں پر ڈالا تھا۔ اور اس کے پس پردہ ان کے استحصال کی جو نئی بساط بچھی تھی اس کی بھی جھلک موجود ہے'' (3)

کے کے کھلر اس ناول کو ایک دستاویز کی حیثیت دیتے ہیں اور اسے اپنے عہد کا المیہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''جیلانی بانو کی 'ایوان غزل' 1976ء حیدرآباد کی ایک ناقابل فراموش ڈاکومنٹری

ہے۔جس میں نہایت الف لیلوی انداز میں نئی اور پرانی زندگی کا ٹکراؤ ہے۔ایک پورے عہد کا المیہ ہے۔جس میں جام اور ساقی، جاگیردارانہ عیاشیاں، غزل و مئے کی محفلیں، حیدرآباد کا خلوص، نہایت نازک انداز میں پیش کیا گیا ہے''۔(4)

ناول کا زمانی عہد کیا ہے؟ اس کا کینوس کتنے سالوں پر پھیلا ہوا ہے؟ کے کے کھلر نے اس تعلق سے کوئی وضاحت نہیں کی ہے۔ناول کے مطالعہ سے جو سمجھ میں آتا ہے وہ یہ کہ ہندوستان کی آزادی سے لے کر حیدرآباد کے الحاق اور اس کے بعد کے کچھ سالوں پر کہانی پھیلی ہوئی ہے۔ پروفیسر حبیب نثار نے اپنی کتاب ''المیزان'' میں شامل مضمون ''ایوان غزل کا ایک کردار'' میں کہانی کے عہد کا حتمی تعین پیش کیا ہے۔وہ متن کی داخلی شہادت سے استنباط کرتے ہوئے لکھتے ہیں '' بین السطور سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایوان غزل (ناول) کی کہانی کا زماں 1935ء سے 1954ء یعنی صرف انیس برس پر کہانی محیط ہے''(5)۔ناول نگار نے اس 19 برس کی کہانی کو حیدرآباد کے مخصوص پس منظر میں وہاں کی سیاسی اور سماجی تبدیلی اور اس تبدیلی کے اثرات سے اعلیٰ طبقے کی بے ضمیری کو ایک المیہ کے طور پر پیش کیا ہے ۔موجودہ تناظر میں اس ناول کو دیکھیں تو جاگیردارانہ طبقہ اب سماجی وتہذیبی تاریخ کا محض ایک حصہ نظر آتا ہے البتہ تہذیبی تصادم نہ صرف حیدرآباد بلکہ ہندوستان کے دوسرے شہروں میں بھی مزید بڑھ گیا ہے۔اب تو یہ ایک عالمی مسئلہ بن گیا ہے جس کے خطرناک نتائج ہم مختلف واقعات کی صورت میں دیکھتے رہتے ہیں۔

☆☆☆

حوالہ جات:

۱۔جیلانی بانو، ایوان غزل، ایجوکیشنل بک ہاؤس، نئی دہلی، 2012، ص، 55

۲۔ایضاً، ص، 30

۳۔انور پاشا، ڈاکٹر، ہندوپاک میں اردو ناول۔تقابلی مطالعہ، پیش رو پبلی کیشنز، نئی دہلی، 1992، ص، 98

۴۔کے کے کھلر، اردو ناول کا نگارخانہ، سیمانت پرکاشن، نئی دہلی، 1983، ص، 88

۵۔حبیب نثار، پروفیسر، المیزان، عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، 2015، ص، 298